مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری کا تنقیدی مطالعہ

کلیدی الفاظ: # مولوی عبدالحق # خاکہ نگاری # تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر عرشیہ جبین، ایسوسی ایٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
گچی باؤلی، حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۴۶

تلخیص

اس مقالے کا عنوان ''مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری کا تنقیدی مطالعہ'' ہے۔ اس مقالے میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری کا تنقیدی مطالعہ اردو خاکہ نگاری کے اصولوں کی روشنی میں کی جائے۔ مولوی عبدالحق نے جس زمانے میں خاکے لکھے تھے، اس وقت تک اس کے باقاعدہ اصول متعین نہیں ہوئے تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنے خاکوں میں بڑی ایمانداری سے ان شخصیات کے جملہ کوائف کی خوبیوں اور خامیوں کو غیر جانبداری سے پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مختلف واقعات کے ذریعے شخصیات کے عادات واطوار، رہن سہن اور کردار وصفات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح اس مقالے میں مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری کی جملہ خصوصیات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

*****

مولوی عبدالحق اردو ادب میں ایک نامور محقق و ناقد کی حیثیت سے شہرت رکھتے

ہیں۔انھوں نے اپنے خاکوں کا ایک مجموعہ ''چند ہم عصر'' کے عنوان سے انجمن ترقی اردو ہند، دہلی کے زیر اہتمام شائع کیا ہے۔اس مجموعے میں کل ۱۵ر خاکے شامل ہیں۔اس میں انھوں نے اپنے عہد کی چند معروف وغیر معروف شخصیات کو موضوع بنا کر خاکے لکھے ہیں۔مثلاً منشی امیر احمد، مرحوم، پروفیسر مرزا حیرتؔ، سید محمود، مرحوم، مولوی چراغ علی، مرحوم، مولوی محمد عزیز مرزا، مرحوم، شمس العلما، ڈاکٹر مولوی سید علی بلگرامی، مرحوم، خواجہ غلام الثقلین، مرحوم، حکیم امتیاز الدین، مولانا وحید الدین سلیمؔ، مرحوم، گدڑی کا لال۔نور خاں، محسن الملک، مولانا محمد علی، مرحوم، شیخ غلام قادری گرامی، حالیؔ اور نام دیو۔مالی ۔ان خاکوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان کے ذریعے اس عہد کی شخصیات سے نہ صرف تعارف ہوتا ہے بلکہ ان کے رہن سہن، عادات واطوار اور سیرت وکردار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

مولوی عبدالحق نے جن شخصیات کے خاکے لکھے ہیں ان کے مختصر حالاتِ زندگی بھی رقم کئے ہیں۔ان کی شاعری اور تصانیف کا تعارف اور تجزیہ بھی کیا ہے اور ان کی سیرت وکردار سے متعلق اہم معلومات بھی فراہم کی ہیں۔مثلاً امیر مینائی کے اجداد کا تعارف کراتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ ان کے والد کا نام مولوی کریم محمد تھا اور حضرت مخدوم شاہ مینا جن کا مزار شریف لکھنؤ میں واقع ہے ان کے اجداد میں تھے۔انھوں نے مجرد زندگی بسر کی البتہ ان کے بھائی کی اولاد میں امیر مینائی تھے۔امیر مینائی کی پیدائش اور تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''آپ (امیر مینائی) ۱۶ر شعبان ۱۲۲۶ھ میں
پیدا ہوئے، عربی وفارسی کی معمولی کتابیں علمائے
وقت کی خدمت میں پڑھیں، علاوہ اس کے

طب، جفر، نجوم وغیرہ میں مہارت بہم پہنچائی مگر
ذوق شعر گوئی غالب تھا۔ تدبیر الدولہ مظفر الملک
منشی سید مظفر علی خاں بہادر اسیر امیٹھوی امین
صدر امانت نصیر الدین حیدر شاہ و میر منشی امجد علی
شاہ و واجد علی شاہ سے تلمذ اختیار کیا اور اس رنگ
کی شاعری کو اپنے استاد سے زیادہ فروغ دیا۔ وہ
بلاشبہ منشی صاحب مرحوم فخر اسیرؔ تھے۔'' ۱۔

خاکہ نگار جب کسی شخصیت پر خاکہ لکھتا ہے تو نہ صرف موضوع خاکہ کی شخصیت کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہےبلکہ ان سے متعلق معلومات فراہم کرتے وقت درمیان میں جن شخصیات کا ذکر آجاتا ہے، ان شخصیات کی سیرت و کردار اور عادتوں کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔ یہی خصوصیت ہمیں مولوی عبدالحق کے خاکوں میں بھی نظر آتی ہے۔ انھوں نے جہاں اپنے خاکے ''منشی امیر احمد صاحب، مرحوم'' میں امیر مینائی کی واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی کے واقعات کا تذکرہ کیا وہاں واجد علی شاہ کی ایک عجیب عادت یعنی کتابوں کے مطالعہ کے وقت بے ربط و بے جوڑ اقتباسات کو اکھٹا کرنے کی ان کی عادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیر مینائی کے شرح لکھنے کے کام اور دشواریوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''واجد علی شاہ کی یہ عادت عجیب تھی کہ وہ اپنے
کتب خانے میں گئے اور اِدھر اُدھر سے چند
کتابیں اٹھالیں اور کتاب کہیں سے بھی کھول کر
چند ورق نقل کر لئے، اسی طرح جو کتاب سامنے
آئی اس میں سے کچھ حصہ نقل کر لیا۔ وہ اس بات

کا مطلق لحاظ نہیں کرتے تھے کہ یہ کتابیں کس مضمون کی ہیں یا میں نے مختلف مضامین اور علوم کی کتابوں کے اقتباس بے ٹھکانے جمع کر لئے ہیں۔غرض بادشاہ کی کتابیں اسی طرح تصنیف ہوتی تھیں اور وہ خود نیز ان کے درباری ان کتابوں کو اعلیٰ تصانیف میں سے خیال کرتے تھے،ایسی ہی ان مل بے جوڑ کتابوں کی شرح لکھنا اور ان میں ربط وسلسلہ قائم کرنا منشی صاحب مرحوم ہی کا کام تھا۔ وہ تا انتزاع سلطنت وہیں رہے۔'' ۲؎

اس اقتباس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ واجد علی شاہ کی کتابوں کے مطالعہ کا کیا طریقہ کار تھا اور پھر اس عادت کی وجہ سے امیر امینائی کو ربط اور تسلسل کو برقرار رکھنے کا جو مشکل کام دیا گیا تھا اس کو انھوں نے کس قدر محنت سے کیا تھا یہاں موضوع خاکہ کی محنت لگن اور کام کرنے کے طریقہ کار پر روشنی پڑتی ہے ساتھ ہی ہمیں واجدہ علی شاہ کا تعارف بھی حاصل ہو جاتا ہے اور ان کے مشاغل کا بھی علم ہوتا ہے۔عبدالحق نے ایک خاکے ''پروفیسر مرزا حیرت'' کے خاندان،علم وفضل ،لیاقت وقابلیت اور مختلف علوم پر ان کی دسترس کا ذکر کرتے ہوئے ان کے خاندانی حالات بھی رقم کئے ہیں اور بتایا ہے کہ وہ چاہتے تو مختلف اعلی عہدوں پر فائز رہ سکتے تھے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ایران کے بڑے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا تھا اور ایران کی بڑی سیاسی شخصیات سے ان کے تعلقات تھے لیکن انھوں نے کبھی اپنے تعلقات کا استعمال نہیں کیا۔کیوں کہ وہ شہرت ونام ونمود

سے کوسوں دور رہتے تھے اور بے لوث خدمتگر تے تھے۔انھوں نے غیر معمولی لیاقت کے باوجود گوشہ گمنامی میں زندگی بسر کی۔ساری عمر الفسٹن کالج کے پروفیسر کی حیثیت سے پڑھاتے رہے اور مرنے سے پہلے یہ وصیت کر کے انتقال کیا کہ میری کتابیں الفسٹن کالج کی لائبریری کو دے دی جائے۔ایسے شریف النفس اور نیک دل انسان کے انتقال کا عبدالحق کو شدید رنج تھا۔چنانچہ ان کی شخصیت کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ ان کے اس دار فانی سے گذرنے کا ذکر رنجیدہ ہوکر کرتے نظر آتے ہیں:

> ''وہ پاک طینت، عالی دماغ فاضل جس گمنامی کو ہمیشہ پسند کرتا تھا اسی گمنامیں میں یہاں چل بسا۔افسوس دنیا نے اس کی پوری قدر نہ کی اور نہ وہ چاہتا تھا کہ دنیا میری قدر کرے۔وہ دنیا اور دنیا والوں کی قدر ومنزلت سے مستغنی تھا۔مگر وہ چندلوگ جو اس کی اعلی خوبیوں کے سچے قدردان تھے اس پر دل سے آبدیدہ ہوئے اور حسرت و افسوس کے ساتھ اسے مادرزمین کی آغوش میں لٹا دیا۔''۳؎

مولوی محمد عزیز مرزا کے انتقال پر بھی انھوں نے بڑے دکھ اور رنج کا اظہار کیا ہے ۔مولوی محمد عزیز مرزا اپنے زمانے کے ذکی اور ذہین شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔علی گڑھ سے بی اے آنرس کامیاب کیا۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد وحیدرآباد آئے۔ابتدا میں چھوٹی سی ملازمت پر معمور ہوئے آہستہ آہستہ انھوں نے خوب ترقی کی اور تعلقدار کے عہدے پر فائز ہوئے۔پھر ہوم

سکریٹری بنے پھر مجلس عالیہ عدالت کے رکن و جج ہائی کورٹ مقرر ہوئے۔ کئی باوقار عہدوں پر معمور ہونے کے باوجود ان کی طبیعت میں سادگی تھی اور وہ کئی لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہوئے عبدالحق لکھتے ہیں:

''آدمی کا مرنا کوئی انوکھی بات نہیں لیکن ایک ایسے شخص کی موت جس سے دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کی بہبود وابستہ ہو، جن پر قوم کی رہبری اور سرداری کے لئے ملک کی نظر انتخاب ہو اور جس کی ذات سے ایسی توقعات ہوں جو اتنی بڑی قوم اور ایسے وسیع ملک میں کسی دوسرے سے پوری ہوتی نظر نہ آتی ہوں، ہزار حسرت و افسوس کے قابل ہے اور اس کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔''[۴]

عبدالحق نے جن شخصیتوں پر خاکہ لکھا ہے، ان کی شخصیت کا بھرپور تعارف کروایا ہے حالاں کہ یہ خاکے تقریباً ۷۰ برس قبل لکھے گئے ہیں۔ خاکے جن شخصیات پر لکھے گئے ہیں وہ بھی اس دنیا سے جا چکی ہیں لیکن عبدالحق نے جس طرح ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، اس سے نہ صرف ہمیں ان شخصیات سے پوری طرح آگہی ہو جاتی ہیبلکہ وہ شخصیات چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔ یہی ان کی مرقع نگاری کیخوبی ہے۔

مولوی عبدالحق نے مولوی چراغ علی کے بارے میں بھی ایک عمدہ خاکہ تحریر کیا ہے۔ اس خاکے میں انھوں نے چراغ علی کی ولادت، خاندان، تعلیم و تربیت اور مختلف ملازمتوں کا ذکر

نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ان کے مطابق چراغ علی کا میلان شروع سے ہی مذہب کی طرف تھا انھوں نے ہمیشہ عیسائی متشرقین کے جواب لکھے یا مذہب اسلام کی حقانیت ظاہر کرتے رہے۔وہ سرسید کی قابلیت اور لیاقت سے متاثر ہوکر ان سے قریب ہوئے اور ان کے کہنے سے بہت سے تراجم کے کام بھی کئے۔۱۸۷۷ء میں نواب سالار جنگ نے جب مہدی علی (نواب محسن الملک) کے توسط سے سرسید سے کسی لائق شخص کو حیدرآباد بھیجنے کی بات کی تو سرسید نے چراغ علی کا انتخاب کر کے انھیں حیدرآباد بھیجا۔وہ حیدرآباد میں اسسٹنٹ ریونیو سکریٹری (مددگار معتمد مالگزاری) کے عہدے پر فائز کئے گئے اور انھیں چارسو روپیہ تنخواہ مقرر کی گئی۔اس وقت نواب محسن الملک معتمد مالگزاری کے عہدے پر فائز تھے۔حیدرآباد میں وہ مختلف عہدوں پر ترقی کرتے رہے اور نواب محسن الملک کے انتقال کے بعد معتمد مال و فینانس کے عہدے پر ان کا تقرر ہوا۔غرض وہ بہت محنت اور لگن سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔وہ بڑے عہدے پر فائز تھے لیکن قوم کی خدمت وفاداری اور بے غرض ہوکر کرتے تھے۔ان کے کام کرنے کے طریقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی شخصیت کے اس پہلو کو خاکہ نگار نے اس طرح اجاگر کیا ہے:

> ’’غالباً مولوی چراغ علی سے بڑھ کر کسی شخص نے سرکاری کام کو اس طرح بے لاگ بے تعلق اور بے لوث ہوکر انجام نہ دیا ہوگا۔ وہ رعایت اور جانبداری جانتے ہی نہ تھے معاملات میں وہ یہ بالکل بھول جاتے تھے کہ ان کا تعلق کسی انسان سے ہے صرف واقعات ان کے پیشِ نظر رہتے تھے اور انھیں پر وہ بلا رو رعایت فیصلہ کرتے تھے

اور یہی وجہ ہے کہ اہل حیدرآباد جوان باتوں کے عادی نہیں ان سے کبھی خوش نہیں رہے۔ وہ روزانہ سوائے اہم امور کے بہت کم کام کرتے تھے جب کام بہت سا جمع ہوجاتا تھا تو وہ دو تین روز جم کر کام کرتے تھے اور سب کو ایک ہی دفعہ ختم کر دیتے تھے۔ وہ طویل طویل فیصلے نہیں لکھتے تھے۔ بڑی بڑی ضخیم مسلوں اور مدتوں کے پیچیدہ معاملات کو چند سطروں میں سلجھا دیتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا گویا معاملے کی جان نکال کر رکھ دی ہے۔ اُن کی تحریر جامع و مانع اور حشو و زوائد سے پاک ہوتی تھی۔'' ۵؎

مولوی چراغ علی مرحوم کے مشاغل میں کتب بینی اہم مشغلہ تھا وہ انتہائی غرق ہو کر کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ وہ کھانا کھاتے وقت اور دیگر کاموں کے دوران بھی مطالعے کے دوران اتنا مگن ہو کر پڑھتے تھے کہ انھیں کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ ان کی شخصیت کے اس پہلو پر مولوی عبدالحق نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

''مطالعہ میں بے حد شغف تھا۔ گویا یہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت بھی کتاب سامنے رہتی تھی اور وقتاً فوقتاً نشان کرتے جاتے تھے اور انتہا ہے کہ بیت الخلا میں بھی کتابیں رہتی تھیں اور وہاں بھی پڑھنے سے نہیں چوکتے تھے۔ رات کو تین چار گھنٹے سے

زیادہ نہیں سوتے تھے۔آرام کرسی پر پڑھتے پڑھتے سوگئے،اس کے بعد پلنگ پر جا لیٹے اور پڑھنے لگے،اتنے میں سوگئے۔کچھ دیر بعد میز پر جا کر لکھنے لگے۔مسٹر محبوب علی (سپرنٹنڈنٹ مدرسۂ صنعت وحرفت اورنگ آباد، فرزند مرحوم) اپنی والدہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میری ایک ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ رات کو ان کے سینے پر سے کتاب اٹھا کے رکھوں،ورنہ کتاب کے جلد پٹھے سب ٹوٹ کے رہ جاتے تھے۔تین چار گھنٹے سونے میں اور ایک آدھ گھنٹہ ہوا خوری میں تو ضرور جاتا تھا ورنہ باقی تمام وقت کام میں اور خاص کر مطالعہ کتب اور تالیف وتصنیف میں صرف ہوتا تھا۔کتابوں کا بہت شوق تھا بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔''۶؎

اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی چراغ علی کو کتابیں جمع کرنے اور انھیں پڑھنے کا کتنا زیادہ شوقتھا۔مطالعہ کے شوق ہی کی وجہ سے وہ وقت ضائع نہیں کرتے تھے اور اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر پڑھنے لکھنے میں صرف کرتے تھے۔ایسی ہی عادت شمس العلماڈاکٹر مولوی سید علی بلگرامی میں لوگوں کی مدد کرنے کی تھی۔ وہ علم کی بڑی قدر کرتے تھے۔خواہ کوئی طالب علم ہو یا کوئی ضرورت مند وہ حتی الامکان اس کی مدد کرتے تھے۔ان کی شخصیت کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے عبدالحق لکھتے ہیں:

> ''مرحوم بہت بامروت تھے۔اگر کوئی شخص ان سے کسی قسم کی درخواست کرتا اور وہ اسے پوری نہ کر سکتے تو خاموش ہو رہتے مگر جب دوسری بار آتا تو پھر اس شرمندگی میں سب سے مقدم اس کا خیال کرتے اور حتی الامکان اس کی مقصد براری میں کوشش کرتے۔ یہاں تک کہ کتابیں جو انھیں عزیز تھیں ان کے دینے میں تامل نہ تھا بشرطیکہ وہ سچا قدر دان ہو۔خاص کر طالب علموں اور اہل علم کا بہت خیال کرتے تھے۔''۷

مولوی چراغ علی مرحوم کو نہ صرف دل کھول کر پڑھنے کی عادت تھی بلکہ وہ لوگوں کی مدد بھی دل کھول کر کرتے تھے۔عبدالحق نے اپنے خاکے میں ان کی اس عادت کی نشاندہی کی ہے اور ایک واقعہ کے حوالے سے ان کی شخصیت کو اس طرح اجاگر کیا ہے کہ ان کی شخصیت ہو بہ ہو ہمارے سامنے آجاتی ہے۔مثلاً لکھتے ہیں:

> ''مرحوم کی عادت تھی کہ جب کوئی شخص کسی علمی کام یا تجارت کے لئے روپیہ طلب کرتا تو وہ حتی الامکان بڑی خوشی سے اس کی مدد کرتے تھے۔چنانچہ حیدرآباد کے ایک صحاف (صحافی) نے ان سے آکر کہا کہ مجھے آپ کوئی کتاب جلد باندھنے کے لئے دے دیجئے۔مرحوم نے ایک کتاب دی اور کہا کہ اگر تم عمدہ جلد باندھوگے تو ہم تمہیں کام دیں

گے۔جب وہ جلد باندھ کے لے گیا تو مرحوم نے
بہت پسند فرمائی اور اس کے کام کی تعریف
کی۔صحّاف نے کہا کہ سرکار یہ کیا کام
ہے،افسوس سامان نہیں،اگر میرے پاس سامان
ہوتا تو پھر آپ میرا کام دیکھتے۔مرحوم نے فوراً
اسے دو ہزار روپیہ کا سامان اور ضروری مشینیں
منگوادیں۔مطبع شمسی (حیدرآباد) بھی اسی قبیل
سے ہے اور مرحوم کے فیض کی یادگار ہے۔کبھی
کبھی وہ طالب علموں کی بھی اسی طرح مدد کرتے
رہتے تھے۔''۸۔

اس واقعہ سے مولوی چراغ علی کی لوگوں کی مدد کرنے والی صفت کا اندازہ ہوتا ہے ۔مولوی عبدالحق نے ''چند ہم عصر'' میں جن شخصیات کے خاکے لکھے ہیں، ان سے ان کے دیرینہ مراسم اور قریبی تعلقات تھے ۔مثلاً ''حکیم امتیاز الدین'' اور'' شیخ غلام قادر گرامی'' کے خاکے اسی نوعیت کے ہیں۔حکیم امتیاز الدین کا خاکہ بہت مختصر ہے لیکن انھوں نے ان کی موت پر شدید افسوس کا اظہار کیا ہے۔آگے اس خاکے میں عبدالحق نےحکیم صاحب کی اپنی طبیعت میں مگن رہنے کی عادت اور طبیعت میں لاابالی پن جیسی صفات کو غیر جانبداری سے بیان کیا ہے۔مثلاً وہ حکیم امتیاز کی شخصیت میں ایک خاص نرالے پن کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ اپنے خیال میں آزاد مطلق العنان اور اپنی
طبیعت کا بادشاہ تھا۔وہ بہت کچھ کرسکتا تھا مگر اس

کی ساری کائنات عالم خیال میں تھی جو کبھی
شرمندہ عمل نہ ہوئی۔ اس کا تخیل اس قدر بلند تھا
کہ فہم وہاں پہنچتے پہنچتے لڑکھڑا نے لگتا۔شعر کا
ذوق ایسا پاکیزہ اور اعلی درجہ کا تھا کہ میں نے
آج تک کسی میں نہیں دیکھا۔اگر چہ وہ شاعر نہ تھا
لیکن اچھے اچھے اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں
رکھتے تھے،اس کا ہر فعل اور اس کی ہر بات شعر
تھی۔ایک معمولی مصرع،قوال کا ایک بول
آپے سے باہر کر دیتا تھا اور سچ تو یہ کہ وہ ہمیشہ
آپے سے باہر رہتا تھا۔جس قدر جلد وہ بگڑ جاتا تھا
اسی قدر جلد وہ خوش ہوجاتا تھا۔اس کی
باتیں،اس کی چال ڈھال اس کی ہیئت اس کی
طرز معاشرت،اس کا برتاؤ سب نرالے تھے اور
سب میں لا ابالی پن پایا جاتا تھا۔‘‘۹؎

جہاں انھوں نے حکیم امتیاز کی طبیعت میں لا ابالی پن اور جلد غصے میں آنے والی عادت کی نشاندہی کی ہے، وہیں شیخ غلام قادر گرامیؔ کی شخصیت میں ضد اور کھرے پن جیسے عناصر کو اجاگر کیا ہے۔وہ غیر جانبداری سے موضوعِ خاکہ کی خوبیوں کا جہاں ذکر کرتے ہیں، وہیں سنجیدگی سے ان کی کمیوں کو بھی اجاگر کرتے ہیں لیکن ان کا انداز غیر جانبدارانہ اور معتدل ہوتا ہے۔وہ ان کی ضد کو بچوں کی سی ضد سے تشبیہ دیتے ہیں کیوں کہ وہ جتنی جلدی روٹھتے تھے اتنی ہی جلدی مان بھی جاتے تھے۔ان کمیوں کے علاوہ جن خوبیوں کی ستائش کی ہے۔ان میں انھوں نے ان کے ٹھیٹ

پنجابی لہجہ کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ دوستوں کی محفلوں میں کلام سناتے اور خوب محظوظ بھی ہوتے تھے ۔ان کے مطابق شیخ غلام قادر گرامیؔ اگرچیکہ ہندوستان کے رہنے والے تھے لیکن فارسی کے استاد تھے اور فارسی زبان پر انھیں خوب دسترس حاصل تھی ۔عبدالحق کے مطابق فارسی شاعری میں کوئی ان کے مدمقابل نہیں تھا۔ان کی شخصیت کی خوبیوں اور کمیوں کو غیر جانبداری سے بیان کرتے ہوئےلکھتے ہیں:

''ضد ضرور تھی لیکن وہی بچوں کی سی، منانے پر فوراً من جاتا تھا اور دوستوں کا کہنا مان لیتا تھا لیکن سچ بات کہنے میں وہ بڑے بڑوں سے بھی نہیں چوکتا تھا۔تصنع سے دور،نہایت بے تکلف اوآشنا پرست تھا۔وہ بہت بھولا تھا مگر بکارشعر ہو شیار اور بکارِ دنیا بے کار۔اگرچہ مدتو دوآبہ گنگ و جمن اور حیدرآباد میں رہا مگر لہجہ ٹھیٹ پنجابی تھا جو بعض وقت بڑا مزہ دیتا تھا۔غیر لوگ آآ کر بڑے اصرار سے اس کا کلام سنتے تھے مگر دوستوں کو وہ خود سناتا تھا وہ بھی محظوظ ہوتے اور خود بھی محظوظ ہوتا اگرچہ ہندی نژاد تھا مگر فارسی کا استاد تھا۔اتنا کچھ لکھا مگر کہیں محاورۂ فارسی میں لغزش نہیں ہوئی۔۔۔اس کی وفات سے ایک بڑے استاد کی جگہ خالی ہوگئی اور چونکہ فارسی کا رواج اٹھتا جاتا ہے اس لیے امید نہیں کہ پھر کوئی گرامی پیدا ہو''۱۰؎

مولوی عبدالحق کی شخصیت میں حق گوئی تھی۔ وہ جس شخصیت کی عکاسی کرتے وہ ہو بہ ہو اس کا عکس اتار کے رکھ دیتے تھے۔ مثلاً مولانا محمد علی کی شخصیت کی عکاسی بھی غیر جانبداری سے کی ہے۔ ان کی شخصیت متضاد تھی۔ جہاں ان کی شخصیت میں مروت، محبت، ہمدردی اور جاں نثاری جیسی صفات موجود تھیں، وہیں وہ اپنے غصے پر قابو نہیں پا سکتے تھے۔ انھیں جب غصہ آجاتا تھا تو وہ آپے سے باہر ہوجاتے تھے اور دوستی ہو یا محبت، کسی رشتے کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبدالحق لکھتے ہیں:

> ''وہ محبت و مروت کا پتلا تھا اور دوستوں پر جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتا تھا لیکن بعض اوقات ذرا سی بات پر اس قدر آگ بگولا ہوجاتا تھا کہ دوستی اور محبت طاق پر دھری رہ جاتی تھی۔ وہ اپنے رفیقوں اور ہمکاروں کے ساتھ بڑی شفقت اور عنایت سے پیش آتا تھا اور طرح طرح کے سلوک کرتا تھا لیکن جب بگڑتا تو آپے سے باہر ہوجاتا تھا، اس وقت اسے نہ کسی کی عزت و آبرو کا خیال رہتا تھا نہ اپنے کام کا۔ اسی لیے وہ اپنے ہمکاروں سے نباہ نہ سکا۔ اور وہ لوگ جنھیں وہ چن چن کر لایا تھا آخر کار ایک ایک کر کے الگ ہوگئے۔''[11]

اس طرح مولوی عبدالحق کے خاکوں میں موضوعِ خاکے کی شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کا بیان غیر جانبداری سے کیا گیا ہے۔ انھوں نے جن شخصیات پر قلم اٹھایا ہے، ان کو ان

کے اصلی روپ میں پیش کیا ہے؛ یہی ان کے خاکوں کا خاص وصف ہے۔

مولوی عبدالحق نے اپنے تعلقات اور دیرینہ مراسم کا ذکر کیا ہے اور ان کے انتقال کے بعد شخصیت کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی مختلف واقعات کے ذریعے کی ہے۔ مثلاً ان کا ایک خاکہ ''مولانا الطاف حسین حالی'' کی شخصیت پر ہے۔ عبدالحق حالؔی کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔ حالی کی شخصیت کی سادگی اور ہمدردی دونوں متاثر کن تھے۔ انھوں نے حالؔی کی شخصیت کی سادگی اور ہمدردی کا ذکر ایک واقعہ کے ذریعے اس عمدگی سے بیان کیا ہے کہ حالؔی کی تصویر ہماری نظروں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ مثلاً آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مشہور سفیر ایک دن حالی کے مہمان ہوئے۔ جاڑوں کا زمانہ تھا۔ اندھیرا ہو چکا تھا، وہ مولانا حالی کے یہاں پہنچے تو حالؔی کی سادگی، مہمان نوازی اور ہمدردی جیسی صفات سے متاثر ہوئے اسی وقعہ کا بیان کرتے ہوئے عبدالحق نے حالؔی کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

> ''اسٹیشن سے سیدھے مولانا کے مکان پر پہنچے۔ دالان کے پردے پڑے ہوئے تھے انھوں نے پردہ اٹھایا اور جھانک کر دیکھا۔ مولوی صاحب فرش پر بیٹھے تھے اور سامنے آگ کی انگیٹھی رکھی تھی۔ انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اٹھ کر ملے اور اپنے پاس بیٹھا لیا مزاج پرسی کے بعد کچھ دیر ادھرادھر کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد کھانا منگوایا، انوار احمد مرحوم کھانے کے بہت شوقین تھے۔ پانی پت کی ملائی

بہت مشہور تھی۔ان کے لئے ملائی منگوائی۔کھانا
کھانے کے بعد کچھ وقت بات چیت میں گزرا
پھران کے لئے پلنگ بچھوا کر بستر کرا دیا اور خود
آرام کرنے کے لئے اندر چلے گئے۔یہ بھی تھکے
ہوئے تھے پڑھ کر سورہے تھے۔مولوی انوار
احمد کہتے تھے رات کے بارہ بجے انھیں ایسا
محسوس ہوا کوئی شخص ان کی رضائی آہستہ آہستہ
چھورہا ہے۔انھوں نے چونک کر پوچھا کون؟
مولوی صاحب نے کہا،میں ہوں۔آج سردی
زیادہ ہے مجھے خیال ہوا کہ شاید آپ کے پاس
اوڑھنے کا سامان نہ ہوتو یہ کمبل لایا تھا اور آپ کو
اوڑھا رہا تھا۔انوار احمد صاحب کہتے تھے کہ مجھ
پر ان کی اس شفقت کا ایسا اثر ہوا کہ عمر بھر نہیں
بھول سکتا۔''۱۲؎

اس واقعہ کے ذریعے مولانا الطاف حسین حالی کی شخصیت کی سادگی اور ہمدردی دونوں سے ہمیں بھرپور واقفیت ہوتی ہے۔حالی بہت ہمدرد انسان تھے۔اپنے ہوں یا پرائے؛سب کے ساتھ ان کا برتاؤ مشفقانہ ہوتا تھا۔حالی کسی کے ساتھ ظلم ہوتا ہوانہیں دیکھ سکتے تھے۔ایک غریب سائیس کے ساتھ کسی امیر کے ظلم ڈھانے کے واقعہ کے ذریعے ان کی شخصیت کے اس پہلو کی عکاسی اس خوبی سے کی ہے کہ حالی کے جذبات و کیفیات،غم وغصہ اور غریب کے ساتھ ان کی ہمدردی کے جذبات سبھی کی تصویر ہماری نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔مثلاً ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے

۔جب غفران مآب اعلیٰ حضرت کی جوبلی بلدۂ حیدرآباد اور تمام ریاست میں بڑے جوش اور شوق سے منائی جارہی تھی۔ مولانا حالی بھی اس میں سرکار کی طرف سے مدعو کیے گئے تھے۔نظام کلب میں انھیں ٹھہرایا گیا تھا۔لوگ صبح شام ان سے ملنے کی غرض سے آتے تھے۔ایک صاحب علی گڑھ کےگریجویٹ تھے اور حیدرآباد میں معزز عہدے پر فائز تھے، وہ حالی سے ملنے کی غرض سے آئے۔اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا اس وقت عبدالحق بھی حالیؔ کے ساتھ تھے۔حالیؔ کے جذبات وذہنی کیفیات کو عبدالحق اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے،جس سے وہ بے حد متاثر ہوئے اور حالی کی دردمندی اور ہمدردی کے قائل ہوگئے۔ وہ اس واقعہ کا بیان کرتے ہوئے حالی کی شخصیت کی عکاسی اس طرح کرتے ہیں۔مثلاً:

> ’’ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک صاحب جو علی گڑھ کے گریجویٹ اور حیدرآباد میں ایک معزز عہدے پر فائز تھے مولانا سے ملنے آئے،ٹم ٹم پر سوار تھے۔زینے کے قریب اترنا چاہتے تھے سائیس کی جوشامت آئی تو اس نے گاڑی دو قدم آگے جاکر کھڑی کی۔ یہ حضرت اس ذرا سی چوک پر آپے سے باہر ہوگئے ساڑ ساڑ کئی ہنٹر غریب کے رسید کردئے۔مولانا یہ نظارہ اوپر برآمدہ میں کھڑے دیکھ رہے تھے اس کے بعد وہ کھٹ کھٹ کر کے سیڑھیوں پر سے چڑھ کر اوپر آئے۔ مولانا سے ملے۔مزاج پرُسی کی اور کچھ باتیں کر کے رخصت ہوگئے۔میں دیکھ رہا تھا۔

مولانا کا چہرہ بالکل متغیر تھا وہ برآمدے میں ٹہلتے
جاتے تھے اور کہتے تھے''ہائے ظالم نے کیا
کیا۔اس روز کھانا بھی اچھی طرح نہ کھا سکے
،قیلولے کی عادت تھی وہ بھی نصیب نہ
ہوا۔فرماتے تھے۔''یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ
ہنٹر کسی نے میری پیٹھ پر مارے ہیں۔اس
کیفیت سے جو درد مولانا کو تھا وہ شاید اس بد
نصیب سائیس کو بھی نہ ہوا ہوگا۔''۱۳؎

عبدالحق نے جس طرح مختلف واقعات کے حوالے سے حالی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی ہے اس سے ہمیں ان کی شخصیت سے بھر پور واقفیت ہوتی ہے۔حالی کی شخصیت کی سادگی ،خلوص و محبت، حیا، ہمدردی، مہمان نوازی، غریبوں کے لیے دردمندی، تنگ نظری اور تعصب سے دوری، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے محبت وشفقت اور شریف النفسی جیسی خوبیوں کا علم ہوتا ہے۔

خاکہ نگار غیر معروف شخصیات کو بھی موضوع بناتا ہے۔جیسے رشید احمد صدیقی کے خاکہ''کندن'' غیر معروف شخصیات پر لکھا گیا اردو کا بہترین خاکہ تسلیم کیا جاتا ہے۔اسی طرح مولوی عبدالحق نے بھی ایک غیر معروف شخص''نام دیو مالی'' کو اپنے خاکے کا موضوع بنایا ہے اور یہ خاکہ مولوی عبدالحق کا بہترین خاکہ ہے۔انھوں اس کردار کی شخصیت کی اتنی عمدہ طریقے سے عکاسی کی ہے کہ وہ شخصیت ہو بہ ہو ہماری نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔انھوں نے اس کی شخصی خوبیوں مثلاً اس کی اپنے پیشے سے محبت، پیڑ پودوں کی دیکھ بھال مثل اپنی اولاد کی طرح کرنے والی

صفت اور ایمانداری و وفاداری کا اتنی لگن سے کر کے اپنی جان گنوا دینے والی خوبی کی اس قدر عمدگی سے تصویر کشی کی ہے کہ ان کا یہ خاکہ اردو ادب کا شاہ کار کہلاتا ہے اور نام دیو مالی کا کردار اردو ادب کا زندہ جاوید کردار بن گیا ہے۔ مثلاً ایک مثال دیکھیے:

''وہ اپنے کام میں مگن رہتا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اپنے پودوں اور پیڑوں ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا اور اولاد کی طرح ان کی پرورش اور نگہداشت کرتا۔ ان کو سرسبز و شاداب دیکھ کر خوش ہوتا جیسے ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔''۱۴؎

ایک جگہ اس کی صاف ستھرا رہنے کی عادت کی تعریف کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''وہ خود بھی صاف ستھرا رہتا تھا اور ایسا ہی اپنے چمن کو بھی رکھتا تھا۔ اس قدر پاک و صاف جیسے رسوئی کا چوکا۔ کیا مجال جو کہیں گھاس پھونس یا کنکر پتھر پڑا رہے۔ روشیں باقاعدہ، تھانولے درست، سینچائی اور شاخوں کی کاٹ چھانٹ وقت پر، جھاڑنا بہارنا صبح شام روزانہ۔ غرض سارے چمن کو آئینہ بنا رکھا تھا۔''۱۵؎

غرض مولوی عبدالحق نے جن شخصیات پر خاکے لکھے ہیں ان کو ہو بہو اپنی شخصی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ ان کی عادت و اطوار، سیرت و کردار، ان کے رہن سہن، ان کے اخلاق، ان کی پسند ناپسند غرض ان کی شخصیت کے تمام گوشوں کی ہو بہو عکاسی کی ہے۔ انھوں

نے اپنے خاکوں کے ذریعے نہ صرف مختلف شخصیات کی سیرت وکردار پر روشنی ڈالی ہے بلکہ اس عہد کے آدابِ معاشرت، اس عہد کے لوگوں کے رکھ رکھاؤ اور عادات واطوار سے بھی بھر پور واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ کسی خاکے میں انھوں نے مختصر مگر جامع انداز میں تو کسی خاکے میں تفصیلات کے ساتھ شخصیات کی تصویر کشی کی ہے۔ زبان وبیان پر خاکہ نگار کو بھر پور قدرت حاصل ہے۔ ان کے خاکوں کی زبان سادہ سلیس اور لطیف ہے۔ ان کو پڑھ کر ان کی زبان دانی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ واقعہ نگاری پر انھیں کمال حاصل ہے۔ جن جن واقعات کا بیان کیا ہے اس کی ہو بہ ہو تصویر پیش کر دی ہے۔ عبدالحق ایک غیر جانبدار خاکہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے خاکوں میں شخصیات کی سیرت وکردار کو ان کے اصلی روپ میں یعنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اجاگر کیا ہے اور جن جن واقعات کا بیان کیا ہے اس کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔ ''چند ہم عصر'' میں شامل خاکوں کے ذریعے موضوع خاکے کی شخصیت کے تمام پہلوؤں سے شناسائی ہوتی ہے۔ بعض خاکوں میں دیگر شخصیات سے بھی تعارف ہوتا ہے اور بعض مقامات پر خود مصنف کی شخصیت سے بھی تعارف ہوتا ہے۔ مولوی عبدالحق کے خاکوں میں شخصیت کی تصویر کشی اور تعارف کے ساتھ ساتھ مختصر سوانح عمری اور ان کی تخلیقات کا مختصر تعارف وتبصرہ بھی ملتا ہے۔ یہ ان کے خاکوں کی خصوصیت ہے۔ جس وقت بابائے اردو یہ خاکے تحریر کر رہے تھے، اس وقت تک اردو میں خاکہ نگاری کے خدوخال طے نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی یہ صنف باقاعدہ رائج ہوئی تھی، اس لیے ان کے خاکوں میں سوانحی انداز ملتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کردار نگاری، واقعہ نگاری اور منظر نگاری پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کے خاکوں میں شخصیت کے عادات واطوار، حلیہ، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، مہمان

نوازی، ملنساری، محنت و جفاکشی اور دوسروں کے لیے دردمندی و ہمدردی جیسی صفات کا ذکر ملتا ہے۔ان خوبیوں کے ذریعے وہ شخصیات کی خوبیوں اور خامیوں کواجاگر کرتے ہیں۔غرض یہ کہ چند ہم عصر اردو خاکہ نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

*****

حوالے

۱۔ منشی امیر احمد صاحب مرحوم، چند ہم عصر، انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۹۱ء ،ص ۵

۲۔ منشی امیر احمد صاحب، مرحوم، چند ہم عصر، ص ۶

۳۔ پروفیسر مرزا حیرت، چند ہم عصر، ص ۱۹

۴۔ مولوی محمد عزیز مرزا مرحوم، چند ہم عصر، ص ۵۲

۵۔ مولوی چراغ علی مرحوم، چند ہم عصر، ص ۳۴

۶۔ مولوی چراغ علی مرحوم، چند ہم عصر، ص ۳۷

۷۔ شمس العلما ڈاکٹر مولوی سید علی بلگرامی مرحوم، چند ہم عصر، ص ۶۸

۸۔ شمس العلما ڈاکٹر مولوی سید علی بلگرامی مرحوم، چند ہم عصر، ص ۷۰

۹۔ حکیم امتیاز الدین، چند ہم عصر، ص ۸۴

۱۰۔ شیخ غلام قادر گرامی، چند ہم عصر، ص ۱۱۰

۱۱۔ مولانا محمد علی مرحوم،، چند ہم عصر، ص ۱۰۶

۱۲۔ حالی، چند ہم عصر، ص ۱۱۳

۱۳۔ حالی، چند ہم عصر، ص ۱۱۲

۱۴۔، ۱۵۔ نام دیو۔مالی، چند ہم عصر، ص ۱۲۸۔۱۲۷

کتابیات

۱۔ مولوی عبدالحق، چند ہم عصر، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی۔۱۹۹۱ء

۲۔ ڈاکٹر صابرہ سعید، اردو ادب میں خاکہ نگاری، مکتبۂ شعر وحکمت، حیدرآباد۔۱۹۷۸ء

۳۔ ڈاکٹر بشیر سیفی، خاکہ نگاری (فن وتنقید)، نذیر سنز پبلشرز، لاہور۔ ۲۰۱۳ء

۴۔ شمیم حنفی، آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ، اردو اکادمی، دہلی۔۱۹۹۱ء

۵۔ یوسف ناظم، اردو کے منتخب خاکے، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی۔۲۰۰۸ء